نُورٌ مِّنْ نُورِ اللهِ

حقیقت کے آئینے میں



قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا

مولانا خاور رشید بٹ

مدرس دار العلوم المحمدیہ لوکو ورکشاپس لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام مقالہ

نظریہ

نورٌ مِّنْ نُورِ اللّٰہ

جمع وترتیب

مولانا خاور رشید بٹ

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ [الزخرف ٤٣: ١٥]

''اوران (کافروں) نے اللہ کے بندوں کواس کا جز بنایا ہے بے شک انسان بڑا کھلم کھلا ناشکرا ہے۔''

انسان کا کھلا اورابدی دشمن اپنے وعدہ کے مطابق ہر طرح اور ہر طریقے سے انسانوں کوراہِ راست سے ہٹانے کی کوشش کرتا رہاہےاور کرتا رہے گا۔

کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو اس کے چکر میں پھنس کر ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھےاور کتنے ہی ایسے ہیں جو ایمان جیسی نعمت حاصل ہی نہ کر سکے۔

ابلیس کی انسانیت پر سب سے کاری ضرب ذات باری تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا ہے۔ چناں چہ بے شمار انسان اس کے بچھائے ہوئے جال میں آ کر ربّ کائنات کی پہچان اور وحدانیت سے کوسوں دور چلے گئے۔

اس جال کی کئی اقسام ہیں ان میں ایک قسم اللہ تعالیٰ کو اجزاء میں تقسیم ماننا ہے۔

یہود ونصاریٰ اور مشرکین مکہ کا اس کے متعلق نظریہ بالکل واضح ہے۔

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ ﴾ [التوبة ٩: ٣٠] ''یہودیوں نے کہا کہ عزیر (علیہ السلام) اللہ کا بیٹا ہے۔''

﴿ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ﴾ [التوبة ٩: ٣٠]

''اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح (علیہ السلام) اللہ کا بیٹا ہے۔''

﴿ وَ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَ لَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴾ [النحل ١٦: ٥٧]

''اور وہ (مشرکین مکہ) اللہ کے لیے (فرشتوں کو) بیٹیاں تجویز کرتے ہیں وہ پاک ہےاور اپنے لیے جو وہ چاہتے ہیں۔''

عیسائیوں نے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہی نہیں بلکہ روح القدس اور بعض نے سیدہ مریم علیہا السلام کو بھی اللہ کا حصہ اور جز قرار دیا۔ مسئلہ تثلیث اس کا شاہد عدل ہے۔

اسی طرح ہندوؤں کا عقیدہ بھی واضح ہے کہ انہوں نے بھی الٰہ واحد کو بے شمار خداؤں اور اجزاء میں تقسیم کر دیا ہے۔

سورۃ الزخرف کی درج بالا آیت گو کہ مشرکین مکہ کے متعلق ہے لیکن عمومیت کے تحت اس طرح کے تمام نظریات آ جاتے ہیں۔ ابلیس کے اس بچھائے ہوئے جال میں امت محمدیہ کے کچھ افراد بھی پھنس گئے اور انہوں نے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کو اجزا میں تقسیم کر دیا، اس نظریہ کو عقیدہ نور من نور اللہ کہتے ہیں۔ یعنی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور میں سے نور ہیں۔ مثلاً:

اصلاحی جماعت وعالمی تنظیم العارفین کا ماہنامہ رسالہ ''مرآۃ العارفین انٹرنیشنل'' بابت ماہ اپریل ۲۰۰۷ء

بمطابق ربیع الاوّل ۱۴۲۸ھ جس کے چیف ایڈیٹر صاحبزادہ سلطان احمد علی صاحب ہیں اور ایڈیٹر معروف ناول نگار و تجزیہ نگار جناب طارق اسماعیل ساگر صاحب ہیں۔ اس کے صفحہ۲ پر چار فرامین لکھے ہوئے ہیں۔

پہلا فرمان باری تعالیٰ دوسرا فرمان رسول اللہ ﷺ تیسرا فرمان سلطان باہو صاحب کا اور چوتھا فرمان اس تنظیم کے ''سرپرست اعلیٰ جناب محمد علی سروری قادری صاحب کا ہے جنہیں سلطان الفقر امام الوقت حضرت سخی سلطان کا لقب دیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی خداوندی کو ظاہر کرنا چاہا تو اپنی ذات کے نور سے ایک نور کو جدا فرمایا اور جب اپنی محبت و معرفت و جمالیت کے آئینے میں اس نور کو دیکھا تو خود ہی اس کے اشتیاق میں مبتلا ہو گیا اور اسے نور محمد (ﷺ) کا خطاب دیا۔ اللہ نے نور محمد ﷺ کو دو لاکھ تہتر ہزار سال اپنے مدنظر رکھا اس کے بعد حق سبحانہ وتعالیٰ نے لطف وکرم سے فرمایا: اے نور محمد (ﷺ) روح محمد (ﷺ) میں ڈھل جا۔ اس حکم پر نور محمد ﷺ سے روح محمد ﷺ پیدا ہوئی۔ بالفاظہ

غور فرمائیں کس قدر دیدہ دلیری سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کو اجزا میں تقسیم کیا جارہا ہے اور محمد کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا حصہ قرار دیا جارہا ہے۔ اسی طرح اس عقیدہ کے حاملین حضرات کے معروف مناظر جناب مولانا عمر اچھروی صاحب اپنی کتاب مقیاس نور کے صفحہ ۱۷۳ پر لکھتے ہیں:

ہم مصطفیٰ ﷺ کو خدا کا نور مانتے ہیں۔ اسی صفحہ پر اپنے زعم میں دلیل پیش کر کے کہتے ہیں: ہمارا اہل سنت وجماعت کا عقیدہ صحیح ثابت ہوا کہ مصطفیٰ ﷺ خدا کے نور ہیں۔

اپنے نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے اسی کتاب پر لکھتے ہیں کہ مصطفیٰ ﷺ کی حقیقت بشری نہ تھی بلکہ حقیقت نوری تھی اور نور محض کو جمعیت انسانی عطا فرما کر والدہ کے شکم پاک سے پاک جسمیت انسانی کے سمیت نور کا ظہور فرمایا اور آپ کا لباس انسانی ہماری خاطر تھا۔ [مقیاس نور، ص:۲۴، ۲۵، ط: مکتبہ سلطانیہ لاہور]

یہ لوگ اپنے نظریے کو ثابت کرنے کے لیے اتنے گر گئے کہ سید البشر امام الانبیاء محمد کریم ﷺ کی توہین کرنے سے بھی نہیں چوکے، معروف مفتی مولانا احمد یار نعیمی گجراتی صاحب اپنی کتاب جاء الحق میں رسولِ اکرم ﷺ کی بشریت پر گفتگو کرتے ہوئے آپ ﷺ کو شکاری کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے کہ جیسے شکاری جانوروں کی سی آواز نکال کر شکار کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ تھے تو نور لیکن بشری لبادہ صرف انسانوں کے لیے اوڑھایا گیا تھا۔

[ملخص، ص:۱۸۳، ط: نعیمی کتب خانہ گجرات]

اسی عقیدے کے پیش نظر اس طائفہ کے امام مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے قرآنِ مجید کی نص قطعی کہ جس میں رسولِ اکرم ﷺ کو بشر کہا گیا ہے تحریف کرتے ہوئے ترجمہ کیا ہے: تو فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔ [الکھف: ۱۸/۱۱۰، کنز الایمان، ص: ۵۴۸، ط: ضیاء القرآن لاہور]

حالاں کہ قرآنی الفاظ ہیں: ﴿ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾
یہاں ظاہر صورت کے ترجمہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی ایک لفظ بھی استعمال نہیں کیا۔ (مزید تفصیل آگے آئے گی، ان شاء اللہ)

اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس طرح یہ لوگ حضور اکرم ﷺ کو انسانیت سے خارج کرنے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ نظریہ کہاں سے لیا گیا۔

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ہمارے شیخ اور استاد محترم مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دراصل یہ عقیدہ تو عیسائیوں کا تھا جو جناب مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں پھر ان سے یہ عقیدہ شیعہ حضرات نے چرا کر اپنے ائمہ پر چسپاں کر دیا کہ ائمہ اہل بیت کی پیدائش نور سے ہوئی ہے۔

[الاصول من الکافی، ج:۱،ص:۳۸۹]

تصوف کی بنیاد شیعیت پر ہے اور انہی حضرات نے تصوف کے ذریعے اس عقیدہ کو اہل سنت میں داخل کیا ہے جس کی وجہ سے یہ باطل عقیدہ صوفیہ حضرات کے ذریعے عام مسلمانوں میں پھیل گیا ہے۔

[جعلی جزء کی کہانی اور علمائے ربانی، ص:۳۳، ۳۴]

عیسائیوں کا نظریہ جاننے کے لیے اصل کتابیں دیکھیں گئیں تو واقعی یہی نظریہ سامنے آیا کہ مسیح علیہ السلام حقیقت میں انسان و بشر نہیں تھے بلکہ انہوں نے انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے اور جنس انسانی پر رحم کرتے ہوئے انسانی روپ دھارا۔ حقیقت میں وہ ابن اللہ یا بالفاظ دیگر خدا ہی تھے۔

ایک عیسائی جسے اکابر دین کا لقب دیا گیا جس کا نام اتھاسیس تھا اپنی کتاب ''کلمۃ اللہ کا تجسم'' میں لکھتا ہے۔ پس وہ ہم کو جو اس کے مخلوق اور اس کے باپ کی صنعت تھے ہلاکت سے بچانے کے لیے مجسم ہوا بلکہ عین بنی آدم کا سا جسم اختیار کیا۔ [ص:۲۵، ۲۶، مترجم، ط: مینار کتب لاہور]

بائبل میں لکھا ہے: خدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دنیا کا میل ملاپ کر لیا۔ [کرنتھیوں نمبر۲: ۵/۱۹]

دوسری جگہ لکھا ہے: کلام خدا تھا......اور کلام مجسم ہوا۔ [یوحنا:۱/۱۱ اور ۱/۱۴]

ایک اور مقام پر لکھا ہے: مسیح یسوع اگرچہ خدا کی صورت پر تھا۔ انسانوں کے مشابہ ہو گیا۔ [فلپیوں:۲/۵۔۸]

غور فرمائیں کہ کس طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو انسانیت سے خارج کیا جا رہا ہے اور انہیں الوہی صفات کا حامل قرار دیا جا رہا ہے۔ اس نظریے کا اثر یہ پڑا کہ کھلے بندوں کہہ اٹھے

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

[اخبار الفقیہ امرتسر بابت ماہ جنوری ۱۹۲۱ء بحوالہ رسالت و بشریت، مصنفہ میر ابراہیم سیالکوٹی ص:۱۶]

یہ نظریہ ایسے ہی نہیں امت محمدیہ میں داخل ہوگیا بلکہ اس کے متعلق نبی کریم ﷺ کی پیش گوئی پہلے سے ہی موجود تھی فرمایا: ضرور تم پہلے لوگوں کے نقش قدم پر چلو گے جیسے بالشت برابر ہوتی ہے۔ بالشت کے اور بازو برابر ہوتا ہے دوسرے بازو کے۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گو کے سوراخ میں داخل ہوا ہوگا تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے۔

صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ پہلے لوگوں سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اور کون مراد ہے؟ [صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ باب قول النبی لتتبعن سنن من کان قبلکم، رقم: ٦٧٧٥]

یہ دلائل جب ان کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں تو پکار اٹھتے ہیں کہ ہم رسول اکرم ﷺ کو نور سے پیدا شدہ مانتے ہیں نا کہ ذاتِ الٰہی کا حصہ۔

اس قول میں کتنی صداقت ہے گزشتہ حوالوں سے واضح ہو چکا ہے بہر حال اگر نور سے پیدا شدہ مانتے ہیں تو صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسی مخلوق کو فرشتہ کہتے ہیں نا کہ بشر۔

سیدہ عائشہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

خلقت الملائكة من نور وخلق الجان من مارج من نار وخلق آدم مما وصف لكم ـ [صحيح مسلم، كتاب الزهد باب في احاديث متفرقه رقم: ٥٣١٤]

”فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے اور جنوں کو شعلہ مارتی آگ سے اور آدم کو اس چیز سے پیدا کیا گیا جس کے متعلق تمہیں بیان کر دیا گیا (یعنی مٹی سے)۔“

اور قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو حکم ہے کہ آپ فرشتہ ہونے کی نفی کریں۔ چناں چہ آپ نے ایسا ہی کیا:

﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ ۚ ﴾

[الانعام ٦ : ٥٠]

”فرمادیں کہ میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔“

ثابت ہوا آنحضرت ﷺ کی پیدائش نور سے نہیں ہوئی ورنہ قرآنِ مجید آپ کو ﴿ بشر مثلكم ﴾ کہہ کبھی نہ پکارتا۔

بالفاظ دیگر قرآنِ مجید اور صحیح احادیث سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ نور سے پیدا ہونے والی مخلوق وقتی طور پر بشریت کا لبادہ تو اوڑھ سکتی ہے لیکن ایک تو اس کے لیے تمثّل (باب تفعل) کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس میں تکلف اور تصنع پایا جاتا ہے۔ دوسرا وہ بشری ضروریات سے مبرا ہوتے ہیں۔ تیسرا بشری لبادہ اوڑھنے کے باوجود ان کا حسب ونسب، رشتہ داری و بیوی، اولاد نہیں ہوتے، اور نہ ہی ان میں سے کسی کی قبر زمین پر ہے اور نہ ہی اسے نبی کا درجہ دیا گیا۔ اور یہ سارے خاصے اللہ تعالیٰ نے حقیقی بشر کے بیان کیے ہیں۔

ہر ایک کی دلیل ملاحظہ فرمائیں:

(اوّل): لفظ تمثل: سیدنا جبریل علیہ السلام جب حضرت مریم علیہا السلام کے پاس عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری دینے گئے تو الفاظ ہیں: ﴿ فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴾ [مریم ۱۹: ۱۷]

''ہم نے اس (مریم) کی طرف اپنا خاص فرشتہ بھیجا تو اس نے اس کے لیے ایک پورے انسان کی شکل اختیار کی۔''

مکمل قرآنِ مجید اور پورے ذخیرہ احادیث میں کہیں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لفظ تمثل استعمال نہیں کیا گیا۔ ثابت ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لبادہ بشری نہیں بلکہ آپ کی حقیقت بھی بشری ہے۔

(ثانیاً): بشری ضروریات سے مبرا ہونا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے جب انسانی شکل میں آئے تاکہ آپ کو بچے کی خوشخبری سنائیں تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام سلام دعا کے فوراً بعد بھنا ہوا بچھڑا ان کی خدمت میں لائے لیکن انہوں نے نہ کھایا۔ [دیکھیں سورۃ الذاریات: ۵۱/ ۲۴۔۲۹]

جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا بھی کھاتے، پانی پیتے اور دیگر بشری ضروریات پورا کیا کرتے تھے۔

ثابت ہوا آپ کا لبادہ بھی بشری تھا اور حقیقت بھی بشری تھی۔ اس بات کی تردید کے لیے یہ حضرات ہاروت اور ماروت کے متعلق ''جو کہ دو فرشتے تھے اور لوگوں کی آزمائش کے لیے ان کو بھیجا گیا تھا'' بتاتے ہیں کہ انہوں نے شراب پی، بدکاری کی اور قتل بھی کیا تھا۔ ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے انسانی صورت میں آکر کھا پی بھی سکتے ہیں۔

جواب: اس طرح کی باتوں کے متعلق یاد رکھیں یہ سب تفسیری اقوال ہیں۔ ان میں کوئی بات بھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ لہٰذا قرآن کے مقابلہ میں ان کی پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں۔

(ثالثاً): نبوت نہ ملنا، رشتہ داری وغیرہ کا نہ ہونا: نور سے پیدا ہونے والی مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ نے لفظ رسول تو استعمال کیا ہے مگر لفظ نبی صرف اور صرف بشر کا خاصہ قرار دیا۔ فرمایا:

﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن كُونُوا رَبَّٰنِيِّينَ ﴾ [آلِ عمران ۳: ۷۹]

''کسی بشر کا حق نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ اور لیکن رب والے بنو۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌۢ بَصِيرٌ ﴾ [الحج ۲۲: ۷۵]

''اللہ فرشتوں سے پیغام پہنچانے والے چنتا ہے اور لوگوں سے بھی بے شک اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''

معلوم ہوا لفظ رسول نوری مخلوق اور انسان ہر دو کے لیے ہے مگر نبوت کے لیے صرف اور صرف بشر اور انسان کو چنا گیا ہے۔ ثابت ہوا اگر آنحضرت ﷺ نور سے پیدا شدہ ہوتے تو آپ کے لیے محض لفظ رسول ہی استعمال ہوتا جب کہ ایسا نہیں بلکہ آپ کو رسول اور نبی ہر دو صفات سے متصف قرار دیا گیا ہے۔

یہاں کوئی کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو رسول نور سے پیدا ہونے کی وجہ سے اور نبی بشری لبادہ اوڑھنے کی وجہ سے کہا گیا ہے تو اس کا جواب یوں ہوگا کہ دوسری آیت (سورۃ الحج) میں اللہ تعالیٰ نے لفظ رسول دو مخلوقوں کے لیے بولا ہے۔ ایک فرشتے (نور سے پیدا شدہ) دوئم انسان اور قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرشتہ ہونے کی نفی کی ہے۔ جیسا کہ سورۃ الانعام آیت: ۵۰، میں ہے اور باقی ایک ہی مخلوق (انسان) رہ جاتی ہے۔ ثابت ہوا آنحضرت ﷺ کو رسول اور نبی بشری حقیقت کی بناء پر کہا گیا ہے۔

اسی طرح حسب ونسب اور رشتہ داری بشر کا ہی خاصہ ہے نا کہ نور سے پیدا شدہ مخلوق کا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ﴾ [الفرقان ۲۵: ۵۴]

''اور (اللہ) وہی ذات ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا پھر اسے (صاحب) خاندان اور سسرال بنایا۔''

یہ دونوں سلسلے اللہ تعالیٰ نے بشروں کے لیے بیان فرمائے ہیں اور آنحضرت ﷺ کا حسب ونسب، خاندان اور سسرال بھی تھا۔ نتیجہ واضح ہے کہ آپ جنس بشر سے ہیں۔

ایک اور طریق سے بات سمجھیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جب عیسائیوں سے بحث ومباحثہ ہوتا ہے تو سب مسلمان بشمول اس طائفہ کے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں کہ وہ انسان تھے۔ ابن اللہ یا الوہی صفات کے حامل نہیں تھے اور ایک بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ بائبل میں انہیں داؤد کا بیٹا، آدم کا بیٹا بلکہ با قاعدہ ان کا نسب نامہ لکھا ہوا ہے اور یہ چیزیں انسانوں کے لیے ہیں نہ کہ ابن اللہ کے لیے اور الٰہ کے لیے۔

اور جب یہی دلیل ہم پیش کرتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ کو ابراہیم علیہ السلام کا بیٹا، آدم علیہ السلام کا بیٹا، عبداللہ کا بیٹا، کہا گیا ہے بلکہ با قاعدہ آپ کا نسب نامہ موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ جنس بشر سے ہیں تو پھر اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔

لفظ بشر کی تحقیق:

اعتراض: انبیاء کو بشر کہنا منکرین کی روش ہے۔

جواب: قرآنِ مجید کے مطالعہ سے یہ بات تو بالکل واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ کفار نے انبیاء کی نبوت ردّ کرنے کے لیے جو ڈھکوسلے باندھے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ بشریت اور نبوت دو متضاد چیزیں ہیں یہ کیسے جمع ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا کسی فرشتے (نوری مخلوق) کو نبی ہونا چاہیے تھا۔

چناں چہ پروردگار عالم نے ان کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴾

[بنی اسرائیل ۱۷: ۹۵]

''تم فرماؤ اگر زمین میں فرشتے ہوتے چین سے چلتے تو ان پر ہم رسول بھی فرشتے اتارتے۔''

اس جگہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے جو حاشیہ لگایا ہے وہ کمال کا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

کیوں کہ وہ ان کی جنس سے ہوتا لیکن جب زمین میں آدمی بستے ہیں تو ان کا ملائکہ میں سے رسول طلب کرنا نہایت ہی بے جا ہے۔ [کنز الایمان، ص: ۵۲۶، ط: ضیاء القرآن لاہور]

اسی طائفہ کے اکابر کے حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح کی جنس زمین پر آباد ہے اللہ تعالیٰ نے اسی جنس سے نبی بھیجا ہے۔

ثابت ہوا انسانوں میں غیر جنس کا نبی آ ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ پر بھی مشرکین مکہ نے یہی اعتراض کیا جس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یوں دیا:

﴿ وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴾ [الانعام ٦: ٩]

''اور اگر ہم نبی کو فرشتہ کرتے جب بھی اسے مرد ہی بناتے اور ان پر وہی شبہ رکھتے جس میں اب پڑے ہیں۔'' [ترجمہ احمد رضا بریلوی]

غور فرمائیں یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے نظریہ کہ رسولِ اکرم ﷺ لبادہ بشریت میں آئے ہیں حقیقت نوری ہیں کا بھی ردّ فرما دیا ہے۔ کیوں کہ آیت قرآنی کا مطلب بالکل واضح ہے کہ اگر نبی فرشتہ ہوتا (نور) تو پھر تمہاری طرف بھیجنے کے لیے اسے انسان ہی کی صورت دینی پڑتی اور تمہارا اعتراض جوں کا توں ہی رہتا۔ یہ کہ بشریت اور نبوت ایک جگہ اکٹھی نہیں ہو سکتی۔

اس پر حاشیہ لگاتے ہوئے مولانا نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں: کیوں کہ فرشتہ کو اس کی اصلی صورت میں دیکھنے کی تو یہ لوگ تاب نہ لا سکتے دیکھتے ہی ہیبت سے بیہوش ہو جاتے یا مر جاتے اس لیے اگر بالفرض رسول فرشتہ ہی بنایا جاتا اور صورت انسانی ہی میں بھیجتے تا کہ یہ لوگ اس کو دیکھ سکیں اور اس کا کلام سن سکیں اس سے دین کے احکام معلوم کر سکیں لیکن اگر فرشتہ صورت بشری میں آتا تو انہیں پھر وہی کہنے کا موقع رہتا کہ یہ بشر

ہے تو فرشتہ کو نبی بنانے کا کیا فائدہ ہوتا۔ [حاشیہ کنزالایمان،ص:۲۳۱،۲۳۲]

یہیں تک ہی نہیں بلکہ قرآنِ مجید میں کفار کے اس اعتراض کے جواب میں انبیاء نے اپنے آپ کو واضح الفاظ میں بشر تسلیم کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار کا انبیاء کو بشر اور انسان کہنا اس حد تک بات درست تھی۔ صرف ان کا نظریہ کہ نبوت اور بشریت دو متضاد چیزیں ہیں غلط تھا اس لیے قرآن نے اس کا ردّ تو کیا ہے لیکن انبیاء کے بشر ہونے کی نفی کہیں ایک مقام پر بھی نہیں کی۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ○ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ﴾ [ابراهيم ١٤: ١٠، ١١]

”(منکرین) بولے تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں اس سے باز رکھو جو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اب کوئی روشن سند ہمارے پاس لے آؤ۔ ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے اور ہمارا کام نہیں کہ ہم تمہارے پاس کچھ سند لے آئیں مگر اللہ کے حکم سے۔“ [ترجمہ احمد رضا بریلوی]

کس قدر سادہ اور واضح الفاظ میں انبیاء نے منکرین کے اعتراض کا جواب دیا کہ ٹھیک ہم بشر تو تمہاری طرح کے ہیں لیکن ہم پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان کیا کہ ہمارے سروں پر تاج نبوت رکھا ہے۔

اتنی واضح آیات کے باوجود اگر کوئی کہے کہ انبیاء کو بشر کہنا کفار کی روش ہے تو اس پر سوائے افسوس کے اور کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں سوال پیدا ہوا کہ یہ تو گزشتہ انبیاء کے متعلق باتیں ہیں کیا ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد ﷺ کو بھی بشر کہا گیا ہے کہ نہیں؟

اس کا جواب تلاش کرنے کے لیے قرآنِ مجید کی ورق گردانی کی گئی تو معلوم ہوا ایک دفعہ نہیں بلکہ تین مرتبہ سرورِ کائنات ﷺ کو بشر کے لفظ سے یاد کیا گیا:

① ..... ﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ [الاسراء١٧: ٩٣]

② ..... ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ ﴾ [الكهف١٨: ١١٠]

③ ..... ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾ [حم السجدة٤١: ٦]

ان تینوں آیات میں رسولِ اکرم ﷺ کو بشر کہا گیا ہے اس طائفہ کے امام مولانا احمد رضا خاں بریلوی اپنے مزعومہ نظریے کو بچانے کے لیے یہاں تحریف فی الترجمہ کے مرتکب ہوئے۔ لیکن اللہ کی قدرت دیکھیں

صرف سورۃ الکہف کی آیت کا ترجمہ ہی غلط کر سکے باقی دونوں جگہوں پر یہ ترجمہ نہ کر سکے۔ تینوں آیات کا ترجمہ بالترتیب ملاحظہ فرمائیں۔

① ......''تم فرماؤ پاکی ہے میرے ربّ کو میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا۔'' [کنزالایمان، الاسراء]

② ......''تو فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔'' [الکہف]

③ ......تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔'' [حم السجدہ]

احمد رضا بریلوی ہی نہیں بلکہ ظاہر صورت بشری والا ترجمہ اس طائفہ کے دیگر علماء اور عوام بھی کرتے ہیں۔

اس لیے ذرا اس کو سمجھ لیں اس ترجمہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے تو یہاں کوئی لفظ استعمال نہیں کیا یہ محض احمد رضا بریلوی کی اختراع ہے۔ بہر حال انہوں نے یہ ترجمہ لفظ بشر کا کیا ہے اگر یہ ترجمہ درست ہے تو باقی دونوں مقامات پر کیوں نہیں کیا گیا؟ حالاں کہ وہ دونوں آیات بھی آنحضرت کے ہی متعلق ہیں۔ اور اگر یہ غلط ہے تو ہمارا مدعا ثابت ہوا کہ قرآن میں کہیں بھی رسولِ اکرم ﷺ کی حقیقت بشریہ کا انکار نہیں کیا گیا اور حقیقت نورانیت کا اقرار نہیں کیا گیا۔

اس ترجمہ کے مطابق اگر لفظ بشر کا معنی ظاہری صورت بشری کریں تو کوئی بھی انسان حقیقی بشر ثابت نہیں ہوتا۔ مثلاً سب سے پہلے انسان سیدنا آدم علیہ السلام ہیں ان کو بھی بشر کہا گیا ہے، فرمایا:

﴿ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴾ [ص ۳۸: ۷۱]

''جب تمہارے ربّ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں مٹی سے انسان بناؤں گا۔'' [ترجمہ احمد رضا بریلوی]

قرآنِ مجید کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴾ [المدثر ۷۴: ۳۶] ''انسانوں کو ڈرانے والا ہے۔''

ظاہر ہے قرآنِ مجید کفار اور مومنین سب کو ڈرانے والا ہے۔ اگر احمد رضا بریلوی کا ترجمہ ظاہر صورت بشری تسلیم کر لیں تو سب کے سب انسان خواہ مومن ہوں خواہ کفار خواہ انبیاء ہوں خواہ امتی حقیقت بشری سے نکل جاتے ہیں اور دنیا کے اندر کوئی حقیقی بشر نہیں ملے گا بلکہ سب نے بشریت کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے۔ **فیا للعجب**

جب یہ باتیں کی جاتی ہیں تو آگے سے جواب ملتا ہے بھائی یہ رسولِ اکرم ﷺ کو تواضع اور عاجزی کا سبق دیا گیا ہے اور جو الفاظ اصحاب عزت وعظمت بہ طریقہ تواضع فرماتے ہیں ان کا کہنا دوسروں کے لیے جائز نہیں۔ کیوں کہ اس میں آنحضرت ﷺ کی توہین کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ [حاشیہ کنزالایمان، ص:۵۴۹، مقیاس نور ص:۱۸۵ وغیرہ]

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ الفاظ جو رسولِ اکرم ﷺ کے متعلق بولنے درست نہیں قرآنِ مجید نے صاف اور دوٹوک الفاظ میں ان سے مسلمانوں کو روک دیا ہے۔

مثلاً صحابہ آنحضرت ﷺ کو متوجہ کرنے کے لیے لفظ استعمال کرتے تھے رَاعِنَا (ہماری رعایت فرمایئے) لیکن منافقین اور یہودا سے بگاڑ کر پڑھتے رَاعِینَا ''ہمارے چرواہے'' معنی بن جاتا تھا یعنی نبی کریم کی توہین کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل کر دیا:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا ﴾ [البقرۃ ۲: ۱۰۴]

''اے ایمان والو! رَاعِنَا کا لفظ نہ کہو (بلکہ) کہو تم اُنْظُرْنَا (یعنی ہماری طرف دیکھیے)۔''

اگر رسولِ اکرم ﷺ کو بشر کہنا ہمارے لیے درست نہیں تو بالکل اسی طرح ہمیں دوٹوک الفاظ میں روک دیا جاتا۔

دوسری بات یہ کہ اعتقاد کہتے ہیں دل میں بات جمانے کو اور شہادت اس کا زبان سے اقرار کرنے کو کہتے ہیں۔ اور فقہ حنفی کی عقائد کی کتب میں ایمان انہی دو چیزوں کا نام ہے یعنی تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان۔ مثلاً اگر کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسولِ اکرم کی رسالت کو دل سے تو تسلیم کرتا ہے زبان سے اقرار نہیں کرتا تو وہ مومن نہیں۔ [دیکھیں فقہ اکبر الوصیۃ، شرح عقائد نسفی وغیرہ]

اسی طرح جب دل سے تسلیم کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بشر کہا ہے اور آپ ﷺ کا اولادِ آدم سے ہونے کو بھی مان لیا تو پھر دل سے تصدیق کرنے کے ساتھ ساتھ زبان سے اقرار نہیں ہو گا تو ایمان نہیں ہو گا۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ قرآنِ مجید کے مطابق رسولِ کریم ﷺ کو بشر کہنا بے ادبی ہے یا کہ ایمان کی تکمیل؟ اس طائفہ کے مشہور و معروف بزرگ پیر مہر علی شاہ صاحب آف گولڑہ شریف اپنے فتاویٰ مہریہ میں پوچھے گئے سوال کہ کیا آنحضرت کو بشر کہا جا سکتا ہے کہ نہیں؟ کا جواب دیتے ہیں:

اس میں شک نہیں کہ اہل ایمان کے لیے ذکرِ آنحضرت ﷺ بطریق تکریم و تعظیم واجب اور ضروری ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظ بشر کے معنی میں بحسب لغت عربیہ عظمت و کمال پایا جاتا ہے یا حقارت۔ میری ناقص رائے میں لفظ بشر مفہوماً و مصداقاً متضمن بکمال ہے۔ مگر چوں کہ اس کمال تک ہر کس و ناکس سوائے اہل تحقیق و عرفان کے رسائی نہیں رکھتا۔ لہٰذا اطلاق لفظ بشر میں خواص بلکہ اخص الخواص کا حکم عوام سے علیحدہ ہے۔ خواص کے لیے جائز اور عوام کے لیے بغیر زیادت لفظ دال بر تعظیم ناجائز۔ [فتاویٰ مہریہ ص: ۱۰ بحوالہ کیا سگ مدینہ کہلانا جائز ہے؟ ص: ۱۵]

اس فتویٰ سے کئی باتیں واضح ہوئیں:

اوّل: لفظ بشر میں حقارت نہیں بلکہ کمال پایا جاتا ہے۔

دوم: اس کمال تک رسائی ہر ایک کے لیے ممکن نہیں اس لیے اہل تحقیق وعرفان یہ لفظ کہہ سکتے ہیں۔

سوم: اگر عام لوگوں نے یہ لفظ بولنا ہے تو اکیلا نہیں بول سکتے اس کے ساتھ کوئی ایسا لفظ لگانا پڑے گا جو تعظیم پر دلالت کرے۔

اس فتویٰ کی تنقیح اور تنقید کا موقع نہیں فقط اپنا مدعا ثابت کرنا مقصود ہے کہ لفظ بشر میں کوئی بے ادبی نہیں بلکہ یہ لفظ کمال پر دلالت کرتا ہے۔ایک اور طریقے سے بات سمجھیں:

قرآنِ مجید کی یہ آیات جن میں حضور اکرم ﷺ کو بشر کہا گیا ہے اگر ان کا ترجمہ کرنا ہو یا محض تلاوت کرنی ہو تو کیا ہماری زبان سے یہ لفظ ادا نہیں ہوگا؟ ضرور ادا ہوگا۔

ثابت ہوا کہ اس لفظ میں بے ادبی کا کوئی شائبہ نہیں ورنہ یہ لفظ ہمیں راعنا کی طرح نہی کی صورت میں تو پڑھنا پڑتا اثباتاً کبھی نہ پڑھنے کی اجازت ملتی۔ (فافہم وتدبر)

لفظ مثل کی بحث:

ایک بحث یہاں لفظ مثل کی کی جاتی ہے کہ گو قرآنِ مجید نے آنحضرت ﷺ کو ہماری مثل بشر کہا ہے لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے اس بات کو ثابت کرنے کے لیے ایک قرآنی آیت سے استدلال کیا جاتا ہے اور چند احادیث سے لہٰذا ان کا تجزیہ ملاحظہ فرمائیں، قرآنِ مجید میں ہے:

﴿ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ﴾ [الانعام۶:۳۸]

''اور زمین میں کوئی چلنے والا جاندار نہیں اور نہ کوئی پرندہ ہے جو اپنے دو پروں سے اڑتا ہے مگر تمہاری طرح امتیں ہیں۔''

استدلال: اس آیت میں جانوروں اور پرندوں کو انسانوں کی مثل امت قرار دیا گیا ہے تو اگر ہم کسی انسان کو کہیں کہ آپ گدھے یا الو کی مثل ہیں تو آیا یہ اس کی توہین ہوگی یا توقیر؟ [ملخص مقیاس نور،ص:۱۸۳]

جواب: یہ بات مثلیت کے معنی ومفہوم سے ناآشنائی کا نتیجہ ہے۔ کیوں کہ مثل کا معنی یہ نہیں ہوتا کہ ایک جزئی میں دونوں چیزیں برابر ہیں بلکہ جس چیز کی مثلیت کا تذکرہ ہوگا اسی میں دونوں کو ہم مثل قرار دیا جائے گا۔ مثلاً قرآن میں ہے:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ ﴾ [الطلاق ۶۵:۱۲]

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمین سے بھی ان کی مثل۔''

اب ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ یہاں مثلیت محض سات کے عدد میں ہے یعنی جیسے آسمان سات ہیں اسی طرح زمینیں بھی سات ہیں۔ باقی احکامات اور چیزیں دونوں ہم مثل نہیں، مثلاً آسمان بلند ہے لیکن زمین پست

ہے۔آسمان پر چاند سورج وستارے وغیرہ چمکتے ہیں زمین پر نہیں وغیرہ وغیرہ۔دوسری جگہ پر فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ ﴾ [الاعراف ۷: ۱۹٤]

''بے شک جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ تمہارے جیسے بندے ہیں۔''

یہاں پر بالکل واضح ہے جن کی پوجا کی جاتی ہے اللہ کے علاوہ وہ بندے ہونے میں پجاریوں کی مثل ہیں نہ کہ ہر چیز میں ان کی مثل ہیں۔

ثابت ہوا جس جس چیز میں مثلیت ہوگی محض انہیں ہی تسلیم کیا جائے گا باقی چیزوں میں ان کو جدا مانا جائے گا بالکل اسی طرح مذکورہ بالا پیش کردہ آیت میں جانوروں اور پرندوں کی انسانوں سے مماثلت امت ہونے میں ہے باقی چیزوں میں نہیں اس لیے ہم یہی کہیں گے کہ الو، گدھا، کتا، شیر، بکری یہ سب جانور اور پرندے امت ہونے کے اعتبار سے انسانوں کی مثل ہیں تو اس طرح کہنے میں ہرگز توہین نہیں۔

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کو ہماری طرح بشر کہا گیا ہے تو ہم محض یہی کہیں گے آپ بشر ہونے کے لحاظ سے تو ہماری مثل ہیں لیکن مرتبہ، عزت وشرف اور احکامات میں ہماری مثل نہیں یہ بات آیت کے اگلے لفظ ﴿ یُوْحٰی اِلَیَّ ﴾ نے واضح کردی۔

عقلی دلیل بھی پیش کی جاتی ہے کہ ماں، بہن اور بیٹی عورت ہونے میں بیوی کی مثل ہیں تو کیا بیوی کو ماں، بہن یا بیٹی کہا جا سکتا ہے؟

اس کا جواب بھی اوپر والی تشریح سے ہی مل جاتا ہے کہ مماثلت محض عورت ہونے میں تو ہے باقی احکامات میں نہیں ہم بیوی کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ محض عورت ہونے میں تو میری ماں، بہن یا بیٹی کی مثل ہے لیکن باقی احکامات میں فرق ہے۔لہٰذا اس فرق کو ملحوظ خاطر رکھا جائے گا۔

صوم وصال اور مثلیت کی نفی:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے صوم وصال سے منع فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا حضور آپ تو وصلی روزے رکھتے ہیں پس آپ ﷺ نے فرمایا: لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ۔

''نہیں ہوں میں تم میں سے کسی ایک کی مثل۔''

نیز فرمایا: میں رات گزارتا ہوں مجھے کھلایا جاتا ہے اور پلایا جاتا ہے۔[صحیح بخاری، ص: ۲۶۳۵، ج:۱]

اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے کسی کی مثل ہونے کی نفی کی ہے۔لہٰذا آپ کسی کی بھی مثل نہیں۔

جواب: اس میں بھی وہی بات ہے کہ جو مسئلہ ہو رہا ہے اس میں مثلیت کی نفی ہے نا کہ ہر چیز کی یعنی وصلی

روزہ رکھنے میں کوئی نبی علیہ السلام کی مانند نہیں اس کی وجہ بھی آپ نے بتا دی کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وصلی روزے کی حالت میں بھی کھلایا اور پلایا جاتا ہے جب کہ تمہارا یہ معاملہ نہیں۔

اسی لیے رسولِ اکرم ﷺ نے واضح کر دیا تھا کہ

انکم لستم فی ذلک مثلی انی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی۔

[صحیح مسلم، ج:۱، ص: ۳۵۲]

''تم اس (وصلی روزہ رکھنے) میں میری مثل نہیں کیوں کہ میں رات گزارتا ہوں میرا ربّ مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔''

اس بات کو قرآنِ مجید کی رو سے سمجھیں، قوم عاد کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ٥ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ٥ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ٥ ﴾

[الفجر ۸۹: ۶-۸]

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے ربّ نے عاد کے ساتھ کس طرح کیا۔ (وہ عاد) جوارم (قبیلہ کے لوگ) تھے ستونوں والے۔ وہ کہ ان جیسا کوئی شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا۔''

یہاں قوت وطاقت و دراز قامتی میں مثلیت کی نفی ہے نا کہ ہر چیز میں، اب اگر کوئی ان الفاظ کو سامنے رکھ کر یہ کہنا شروع کر دے کہ قوم عاد انسان تھے ہی نہیں کیوں کہ ان جیسا اللہ نے کسی کو پیدا کیا ہی نہیں تو کیا یہ درست ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ ثابت ہوا جیسے مماثلت کا اثبات ان باتوں میں ہوگا جن کا ثبوت مل جائے اسی طرح نفی بھی ان ہی باتوں میں ہوگی جن کی دلیل مل جائے۔

تو مذکورہ حدیث میں وصلی روزہ رکھنے میں مماثلت کی نفی ہے نہ کہ ہر چیز میں۔

بیٹھ کر نفل پڑھنا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو مسئلہ پہنچا کہ رسولِ اکرم نے فرمایا ہے جو آدمی بیٹھ کر نماز پڑھے گا اسے آدھا ثواب ملے گا لیکن ایک دفعہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے دیکھا تو پریشان ہو گئے اور سوال کیا تو رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: مسئلہ اسی طرح ہے لیکن (**لست کاحد منکم**) نہیں ہوں میں تم میں سے کسی ایک جیسا۔ [صحیح مسلم، ج:۱، ص:۲۵۳]

اس حدیث میں بھی رسولِ اکرم ﷺ نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ میں تم میں سے کسی جیسا نہیں ہوں۔

ثابت ہوا آپ ہماری مثل نہیں۔

جواب: حدیث کے الفاظ اور مفہوم پر غور فرمائیں بات بالکل ظاہر ہے کہ رسول کریم نے جس مماثلت

کی نفی فرمائی ہے وہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کے ثواب کے متعلق ہے کہ عام آدمی اگر ایسا کرے گا تو اسے آدھا ثواب ملے گا مگر محمد کریم ﷺ اس مسئلہ میں عام آدمی جیسے نہیں آپ کو اس شکل میں بھی پورا ثواب ملے گا۔

اس دلیل کو بنیاد بنا کر آنحضرت ﷺ کو بشریت سے خارج کرنا کہاں کا انصاف ہے۔

میں سوال کرتا ہوں اگر کوئی آدمی اسے بنیاد بنا کر کہے کہ ہم رسول اکرم ﷺ جیسی نماز نہیں پڑھیں گے کیوں کہ آپ ہم جیسے نہیں، ہم حج آپ کی طرح نہیں کریں گے کیوں کہ آپ ہم جیسے نہیں، ہم حقوق العباد اس طرح ادا نہیں کریں گے جیسے آپ ﷺ کرتے تھے کیوں کہ آپ ہمارے جیسے نہیں، تو کیا اس کا استدلال درست ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ ہم کہیں گے بھائی دوسرے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام ہم رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر ہی کریں گے۔ بالکل اسی طرح یہاں بھی کہا جاتا ہے بھائی دوسرے دلائل سے پتا چلتا ہے کہ بعض باتوں اور احکامات میں آنحضرت ﷺ ہمارے جیسے ہیں ان میں ایک مسئلہ بشریت کا بھی ہے۔ قرآنِ مجید کی دلیل سے یہ بات سمجھیں۔ ازواجات مطہرات کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾ [الاحزاب ۳۳:۳۲]

''اے نبی کی بیویو! تم عورتوں میں سے کسی ایک جیسی نہیں ہو۔''

یہاں ازواجِ مطہرات کی عام عورتوں سے مماثلت کی نفی کی گئی ہے تو کیا ہر طرح کی مماثلت کی نفی یا کہ فضیلت وعزت اور بعض احکامات کی نفی ہے؟

ظاہر ہے ہر طرح کی نفی نہیں ہو سکتی کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں ازواج مطہرات اور عام خواتین کو لفظ نساء سے پکارا ہے یعنی عورت ہونے کی نفی نہیں اسی طرح کئی اور احکامات ہیں مثلاً جتنی نمازیں اور روزے عام عورتوں پر فرض اتنے ہی ازواج مطہرات پر فرض ہیں اور بھی کئی مماثلتیں ہیں۔

تو اگر کوئی آدمی اس آیت کو سامنے رکھ کر یہ کہنا شروع کر دے کہ ازواجِ مطہرات انسان نہیں کیوں کہ یہ دوسری عورتوں کی مانند ہیں ہی نہیں تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ ہرگز نہیں۔

ثابت ہوا مماثلت کی نفی بھی انہیں باتوں میں تسلیم کی جائے گی جن کا ثبوت مل جائے گا ہر ایک میں نہیں۔

صحابہ کا عقیدہ:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان اعمال کا حکم دیتے جن کی لوگ طاقت رکھتے تھے، صحابہ نے عرض کیا کیا انا لسنا کھیئاتلث کہ ہم آپ کی طرح نہیں۔ [بخاری، ج:۱، ص:۷، مقیاس نور، ص:۱۹۲]

معلوم ہوا صحابہ بھی اپنے آپ کو رسولِ اکرم ﷺ کی مانند تسلیم نہیں کرتے تھے۔

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا عمر اچھروی کی طرح یہ لوگ اس حدیث کو مکمل بیان نہیں کرتے

کیوں کہ اگلے الفاظ میں ان کی تحریف قرآنی واضح ہوتی ہے۔نیز اپنے آپ کو رسول کی مثل نہ ماننے کی وجہ بھی معلوم ہو جاتی ہے۔آگے الفاظ ہیں:

ان اللّٰہ قد غفر لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر۔

(ہم آپ کی مثل نہیں) کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔نبی ﷺ غصے ہوئے اور فرمایا: **ان اتقاکم واعلمکم باللہ انا۔**

یعنی صحابہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں ہماری طاقت سے بڑھ کر عمل کرنے کی ضرورت ہے ہمیں بخشش کی گارنٹی نہیں ملی اور آپ ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ نے گارنٹی دی ہے اس لیے اگر آپ عمل نہ بھی کریں یا اپنی طاقت کے مطابق بھی کریں تو کوئی حرج نہیں۔تو رسولِ اکرم ﷺ غصہ ہوئے اور صحابہ کو ڈانٹا کہ تم کتنی ہی عبادت کرلو مجھ سے بڑھ نہیں سکتے۔اس لیے کہ معرفت الٰہی تم سب سے زیادہ مجھ کو حاصل ہے۔

ثابت ہوا اعمال بجالانے میں مماثلت کی نفی ہے۔

صحابہ کا عقیدہ تو بالکل واضح الفاظ میں احادیث میں موجود ہے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام گھر کے کام کاج کرلیا کرتے تھے۔کپڑے درست کر لیتے، بکری کا دودھ نکال لیتے تھے کیوں کہ کان بشرا من البشر آپ انسانوں میں سے ایک بشر تھے۔ [مسند احمد، ج:۶،ص:۲۵۶]

اسی طرح نبی کریم ﷺ کی وفات پر جب حضرت عمر نے اختلاف کیا تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا، نبی علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں:

وانه لبشر وانه يأسن كما ياسن البشر۔

کیوں کہ آپ بشر تھے اور آپ دیگر انسانوں کی طرح ہی تغیر حالات کا شکار ہوتے تھے۔[سنن دارمی، ج:۱،ص:۵۳،رقم:۸۳]

﴿ قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّكِتَابٌ مُّبِينٌ ﴾ [المائدۃ۵:۱۵]

''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔''

استدلال: اس میں دو چیزوں کا تذکرہ ہے اور واؤ مغائرت کے لیے آتی ہے معلوم ہوا کہ دونوں الگ الگ ہیں۔لہٰذا مفسرین کے قول کے مطابق نور سے آنحضرت ﷺ اور کتاب مبین سے قرآنِ مجید مراد ہے۔

جواب: یہ حضرات اتنا تو لکھ دیتے ہیں کہ نور سے مفسرین نے آنحضرت ﷺ مراد لیے ہیں۔لیکن دیگر مفسرین کے اقوال بیان کرنے سے گریزاں کیوں ہوتے ہیں۔

اگر بعض مفسرین نے یہاں نور سے مراد رسول کریم ﷺ لیے ہیں تو بعض نے اسلام اور قرآن مجید بھی مراد لیا ہے۔ مثلاً: دیکھیں، تفسیر کبیر، ج:۳، ص:۲۸۴، ط: بیروت

علامہ بیضاوی نے بھی نور سے قرآنِ مجید مراد لیا ہے۔ علامہ شہاب الدین احمد حنفی لکھتے ہیں کہ اس تفسیر کے مطابق نور اور کتاب دونوں سے مراد واحد ہے۔ [عنایۃ القاضی، ج:۳، ص:۲۲۶، ط: بیروت]

بلکہ علامہ ابوالسعود حنفی نے اپنی تفسیر میں نور سے آنحضرت ﷺ مراد لینے والے معنیٰ کو لفظ (قیل) کے ساتھ بیان کیا ہے جو اس قول کے ضعف اور غیر راجح ہونے کی دلیل ہے۔ لکھتے ہیں:

﴿ قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ﴾ [المائدة ۵:۱۵]

وتنوين نور للتفخيم والمراد به وبقوله تعالٰى وكتاب مبين القرآن والعطف لتنزيل المغايرة بالذات وقيل المراد بالاول هو الرسول عليه الصلوة والسلام وبالثانى القرآن۔

"تحقیق آچکی ہے تم کو اللہ کی طرف سے روشنی اور کتابِ مبین اور لفظ نور کی تنوین تفخیم کے لیے ہے۔ اس سے مراد اور کتاب مبین سے مراد قرآنِ مجید ہے اور عطف اس لیے ہے کہ مغائرت وصفی وعنوانی کو بمنزلہ مغائرتِ ذاتی کے سمجھا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اوّل (لفظ نور) سے مراد رسولِ اکرم اور ثانی (کتابِ مبین) سے مراد قرآنِ مجید ہے۔"

معلوم ہوا ان کے نزدیک بھی پہلا قول یعنی نور سے بھی قرآنِ مجید مراد لینا راجح ہے۔

باقی رہ جاتا ہے یہ اعتراض کہ واؤ مغائرت کے لیے آتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قرآنِ مجید سے ہی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی چیز کی دو صفتیں ہوں تو انہیں عطف کے ساتھ بیان کیا جا سکتا ہے، مثلاً فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴾ [الحجر ۱۵: ۸۷]

"اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آپ کو بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں اور بہت عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔"

دیکھیں یہاں پر بھی سبعا من المثانی اور قرآنِ عظیم کے درمیان واؤ آیا ہے جو مغائرت کے لیے آتا ہے۔ لیکن مراد دونوں سے ایک ہی ہے یعنی سورۃ فاتحہ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔

[صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ما جاء فی فاتحۃ الکتاب، رقم:۴۴۷۴]

معلوم ہوا لفظی ووصفی مغائرت کے لیے بھی واؤ آتا ہے۔ بالکل اسی طرح سورۃ المائدہ کی مذکورہ بالا آیت میں بھی گو کہ لفظی مغائرت ہے لیکن مراد ایک ہی چیز ہے یعنی قرآنِ مجید۔

نور اور کتاب مبین سے مراد ایک چیز ہے اس کا ایک قرینہ اس سے اگلی آیت بھی ہے جس میں فرمایا:

﴿ يَهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ ﴾ [المائدة ٥: ١٦]

''اللہ اس کے ساتھ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے پیچھے چلیں سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے۔''

جس چیز کے ذریعے اللہ ہدایت دیتا ہے اس کے لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے (بِـہٖ) میں واحد مذکر کی ضمیر استعمال کی ہے جس کا مرجع کتاب مبین اور نور دونوں ہیں۔

اگر دونوں کو ذاتی طور پر علیحدہ علیحدہ تسلیم کیا جائے جیسا کہ طائفہ بریلویہ کا نظریہ ہے تو یہاں بِھِمَا یعنی ھما تثنیہ مذکر کی ضمیر استعمال کی جاتی جس کا ترجمہ یہ ہوتا کہ اللہ ان دونوں چیزوں کے ذریعے ہدایت دیتا ہے۔ الخ

جبکہ اس طرح ہے نہیں۔ معلوم ہوا یہاں نور اور کتابِ مبین میں تغائرت ذاتی نہیں بلکہ لفظی ہے اور مراد ایک ہی چیز ہے جس کے لیے واحد مذکر کی ضمیر استعمال کی گئی ہے۔

تیسرا قرینہ: یہاں ایک ہی چیز مراد ہے اس کے لیے ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ دیگر آیات میں قرآنِ مجید کو واضح اور دوٹوک الفاظ میں نور کہا گیا ہے، مثلاً:

﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِىْٓ اَنْزَلْنَا ﴾ [التغابن ٦٤: ٨]

''سو تم اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا۔''

﴿ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ﴾ [الاعراف ٧: ١٥٧]

''اور اس نور کی پیروی کی انہوں نے (ایمان والوں نے) جو اس (نبی) کے ساتھ اتارا گیا۔''

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴾ [النساء ٤: ١٧٤]

''اور ہم نے تمہاری طرف ایک روشن نور نازل کیا ہے۔''

سورۃ مائدہ کی زیرِ بحث آیت میں اگر نور سے مراد رسولِ اکرم ﷺ کی ذات لے بھی لیں تو آگے پھر مفسرین کا اختلاف ہے کہ مراد حسی نور ہے یا کہ نورِ ہدایت اگر نورِ ہدایت مراد لیا جائے تو ان کا مقصود حاصل نہیں ہوتا اور اگر نورِ حسی مراد لیا جائے تو رسولِ اکرم ﷺ بشریت سے خارج ہو جاتے ہیں اور یہ قرآنی تصریحات کے خلاف ہے۔ چناں چہ اس طائفہ کے شیخ الحدیث مولانا غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

امام ابن جریر، علامہ سمرقندی حنفی، قاضی بیضاوی شافعی، علامہ احمد خفاجی حنفی، ملا علی قاری حنفی اور علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نور ہدایت ہیں اور علامہ آلوسی اور بعض دیگر علماء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نور حسی ہیں۔ [تبیان القرآن، ج:۳،ص:۱۳۴]

ناموں کی فہرست دوبارہ ملاحظہ فرمائیں یہاں نورِ ہدایت مراد لینے والوں کی اکثریت حنفی ہی نظر آئے گی۔ پھر بھی یہ لوگ اپنے غلط نظریے پر جمے رہیں تو کیا کہا جا سکتا ہے؟

بہرحال ان ناموں میں آخری نام مولانا نعیم الدین مراد آبادی کا بڑا اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ یہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے بڑے معتقد، ان کے ہم عصر اور غالباً ان کے شاگرد بھی ہیں ان پر احمد رضا صاحب کو بڑا اعتماد ہوا کرتا تھا۔ مرزائیوں، عیسائیوں وغیرہ کے ساتھ مناظروں کے وقت مولانا انہیں ہی منتخب کیا کرتے تھے اور انہوں نے مولانا کے ترجمہ قرآن بنام کنز الایمان کا حاشیہ بھی لکھا ہے۔

انہوں نے مولانا احمد رضا خاں صاحب کے اسی ترجمہ کے تحت لکھا ہے: سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا کیوں کہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی۔ [حاشیہ کنز الایمان، ص:۱۹۸، ط: ضیاء القرآن لاہور]

بلکہ مولانا غلام رسول سعیدی صاحب نے دونوں اطراف کے دلائل نقل کرنے کے بعد جو فیصلہ دیا وہ بھی یہی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نور حسی نہیں بلکہ نورِ ہدایت ہیں۔ [دیکھیں تبیان القرآن، ج:۳،ص:۱۳۹]

بالفرض اگر آیت زیر بحث میں نور سے مراد رسولِ اکرم ﷺ کو نور حسی مان لیا جائے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نور حسی مخلوق ہے یا اللہ تعالیٰ کی ذات سے الگ کیا ہوا نور۔

اگر مخلوق نور مانا جائے تو ان کا موقف ثابت نہیں ہوتا۔ کیوں کہ ان کا عقیدہ نور من نور اللہ کا ہے جیسا کہ وضاحت اور حوالہ جات گزر چکے۔ نیز مخلوق نور کو صحیح حدیث کے مطابق فرشتے کہا جاتا ہے۔ [صحیح مسلم]

اور قرآن سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فرشتہ ہونے کی نفی کی ہے۔ فرمایا:

﴿ قُلْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ﴾

[الانعام ٦: ٥٠]

"فرما دیں میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔"

ثابت ہوا کہ رسولِ اکرم ﷺ مخلوق نور بھی نہیں اور اگر یہاں سے مراد نور حسی اللہ تعالیٰ کی ذات کا حصہ و جز تسلیم کیا جائے تو یہ صریحاً شرک و کفر ہے (جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔)

اتنے احتمالات ہونے کی وجہ سے یہ دلیل بریلوی حضرات پیش ہی نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ اس طائفہ کے امام مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں کہ عقل ونقل کا مسلمہ قاعدہ ہے:

اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

کہ جب احتمال آجائے تو (اس دلیل سے) استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ [الامن والعلی ص:۳۱۰، ط: جمال کرم لاہور]

نبی کریم ﷺ کا سایہ

رسول اکرم ﷺ کے نور ہونے کی ایک دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ آپ کا سایہ نہیں تھا اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

اس مسئلہ پر ایک روایت جو حسب ذیل ہے:

حکیم ترمذی نے عبدالرحمٰن بن قیس الزعفرانی کے طریق سے عبدالملک بن عبداللہ بن الولید سے اور انہوں نے ذکوان سے یہ روایت کہ آنحضرت ﷺ کا سایہ نہ تو سورج میں نظر آتا تھا اور نہ چاند میں۔

[خصائص الکبریٰ، ج:۱،ص:۷۱]

ثابت ہوا آپ بشر نہیں تھے:

جواب: اوّلاً بات یہ ہے کہ یہ روایت ہی قابل احتجاج نہیں کیوں کہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن قیس الزعفرانی راوی ہے جس کے متعلق امام احمد فرماتے ہیں اس کی روایت ضعیف ہے اور یہ محض ہیچ اور متروک الحدیث ہے۔ امام نسائی نے فرمایا یہ متروک الحدیث ہے۔ امام زکریا ساجی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

صالح بن محمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس کی اکثر احادیث میں ثقات نے ان کی متابعت نہیں کی۔ امام حاکم رحمہ اللہ ابو احمد نے اسے ذاہب الحدیث قرار دیا ہے۔ اسی طرح امام ابونعیم اصبہانی نے فرمایا یہ لاشیء ہے یعنی کچھ بھی نہیں۔ امام مسلم بن الحجاج نے بھی اسے ذاہب الحدیث قرار دیا ہے۔ [تہذیب التہذیب، ج:۶، ص:۲۵۸، نمبر:۵۱۰، تاریخ بغداد، ج:۱۰، ص:۲۵۱، ۲۵۲]

ثانیاً ملا علی قاری فرماتے ہیں:

حکیم ترمذی نے یہ روایت اپنی کتاب نوادر الاصول میں عبدالرحمٰن بن قیس کے طریق سے ذکر کی ہے اور عبدالرحمٰن مطعون ہے۔ اس نے عبدالملک بن عبداللہ بن الولید سے روایت کی ہے اور وہ مجہول ہے اور اس نے ذکوان سے روایت کی ہے۔ الخ [شرح الشفا، ج:۳، ص:۲۸۲، ط: مصر، بحوالہ تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین، ص:۹۴]

معلوم ہوا اس روایت کی سند میں ایک راوی کذاب اور دوسرا مجہول ہے۔

ثالثاً: ذکوان تابعی ہے اور اس نے نبی علیہ السلام کو دیکھا ہی نہیں تو کیسے ان کی بات تسلیم کی جا سکتی ہے۔

ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ روایت بے سروپا اور ناقابل اعتبار ہے۔ لہٰذا اس طرح کی روایت کو بنیاد بنا کر عقیدہ ثابت کرنا کہاں کا اصول اور انصاف ہے۔ حالاں کہ ان حضرات کے نزدیک تو عقیدے میں صحیح حدیث جو خبر واحد ہو وہ بھی قبول نہیں چہ جائیکہ وہ ضعیف، موضوع اور من گھڑت ہو۔

اس سوال کو قرآن اور احادیث پر پیش کرتے ہیں وہ اس کا جواب کیا دیتے ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴾ [الرعد ١٣:١٥]

''اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے اللہ ہی کو سجدہ کر رہا ہے خوشی اور ناخوشی سے اور ان کے سائے بھی پہلے اور پچھلے پہر۔''

معلوم ہوا آسمان اور زمین میں جو بھی چیز ہے ان کا سایہ ہوتا ہے اور رسول اکرم ﷺ ان میں شامل ہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴾

''اور کیا انہوں نے ان چیزوں کو نہیں دیکھا جو اللہ نے پیدا کی ہیں خواہ کوئی بھی چیز ہو کہ اس کے سائے دائیں طرف سے اور بائیں طرفوں سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں۔'' [النحل ١٦:٤٨]

غور فرمائیں کتنے واضح الفاظ ہیں جن سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ کی ہر مخلوق کا سایہ ہوتا ہے۔ یہ تو تھے عمومی دلائل خصوصی طور پر رسول اکرم ﷺ کے متعلق بھی دلیلیں موجود ہیں کہ ان کا سایہ تھا ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ایک رات نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک اپنا ہاتھ آگے کیا پھر پیچھے کر لیا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آپ کو نماز میں ایسا کام کرتے ہوئے دیکھا ہے جو اس سے قبل نہیں کیا تھا۔ چناں چہ آپ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ مجھ پر جنت پیش کی گئی تو میں نے اس میں اونچے درخت دیکھے جن کے گچھے لٹکے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے کچھ لینے کا ارادہ کیا۔ پس میری طرف وحی آئی کہ پیچھے ہٹ جا، سو میں پیچھے ہٹ گیا اور مجھ پر دوزخ بھی پیش کی گئی جو میرے اور تمہارے درمیان تھی'' حتي رايت ظلي وظلكم فيما '' یہاں تک کہ اس کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ پس میں نے تمہیں اشارہ کیا کہ پیچھے ہٹ جاؤ۔ الخ [مستدرک حاکم، ج:۴، ص:۴۵۶، رقم:۸۴۰۸]

اس صحیح حدیث سے کس قدر واضح طور پر نبی کریم ﷺ کا سایہ ثابت ہو رہا ہے کیوں کہ آگ کی روشنی میں آپ ﷺ نے اپنا بھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی سایہ دیکھا اگر حضور ﷺ کا سایہ نہیں تھا تو اپنا سایہ دیکھنے کا

کوئی معنی نہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اونٹ تھے۔ چناں چہ نبی ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا کو فرمایا صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا ہے اگر تو اسے اپنا فالتو اونٹ دے دے تو بہتر ہوگا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کیا میں اس یہودیہ کو اونٹ دوں؟ (یہ نازیبا کلمات سن کر) رسولِ کریم ﷺ نے ذوالحجہ، محرم دو یا تین ماہ تک سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس جانا ہی ترک دیا۔ چناں چہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپ ﷺ سے ناامید ہو گئی تھی اور میں نے اپنی چارپائی وہاں سے ہٹالی تھی فرماتی ہیں:

فَبَیْنَمَا یوما بنصف النهار اذا انا بظل رسول الله مقبلاً۔

اسی حالت میں تھی کہ ایک دن دوپہر کے وقت میں نے آنحضرت ﷺ کا سایہ دیکھا جو میری طرف آ رہا تھا۔ الخ [مسند احمد، ج:۶، ص:۱۳۱، ۱۳۲، طبقات الکبریٰ، ج:۸، ص:۱۲۷ او مجمع الزوائد، ج:۴، ص:۳۲۳]

اس حدیث میں بھی رسولِ اکرم ﷺ کے سائے کا واضح الفاظ میں ذکر ہے۔

ان قرآنی دلائل اور صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے بھی کوئی شخص آنحضرت ﷺ کا سایہ تسلیم نہ کرے تو اس کے ایمان کے کیا ہی کہنے۔

باقی رہ جاتا ہے یہ سوال کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا یہ بھی حقیقت کے برخلاف ہے۔ صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب جنگ احد میں شہید ہوئے تو ان کا مثلہ کر دیا گیا تھا۔ انہیں رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ کی پھوپھی رونا شروع ہو گئی تو رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما زالت الملائكة تظلله باجنحتها حتى رفعتموه۔ [صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت، رقم: ١٢٤٤]

''کہ جب تک تم انہیں یہاں سے اٹھا نہیں لیتے اس وقت تک فرشتے اس پر اپنے پروں کا سایہ کیے رکھیں گے۔ معلوم ہوا کہ فرشتوں کا سایہ ہوتا ہے اور فرشتے نوری مخلوق ہیں۔''

ایک بات یہ بھی کی جاتی ہے کہ اگر آپ ﷺ کا سایہ ہوتا تو اس پر کسی کا قدم آ سکتا تھا جس سے آپ کی توہین ہوتی۔ لہٰذا آپ کا سایہ اس لیے بھی نہ تھا۔

جواب: یہ بات بھی خلاف واقع ہے۔ کیوں کہ سایہ پاؤں کے نیچے آ ہی نہیں سکتا جب اس پر پاؤں آئے گا تو لامحالہ سایہ پاؤں کے اوپر ہو جائے گا، تجربہ کر کے دیکھ لیں۔

ہمارے شیخ اور استاد مفتی مبشر احمد ربانی ﷾ عقلی طور پر اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عقلی طور پر بھی معلوم ہوتا ہے کہ سایہ مرئیہ فقط اس جسم کا ہوتا ہے جو ٹھوس ہو۔ نیز سورج کی شعاعوں کو آگے گزرنے نہ دے۔ لیکن اگر وہ جسم اتنا صاف اور شفاف ہو کہ وہ سورج کی شعاعوں کو روک ہی نہیں سکتا تو اس کا سایہ بلاشبہ نظر نہیں آتا مثلاً صاف اور شفاف شیشہ اگر دھوپ میں لایا جائے تو اس کا سایہ دکھائی نہیں دیتا۔ کیوں کہ اس میں شعاعوں کو روکنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی بخلاف اس کے نبی کریم ﷺ کا جسد اطہر نہایت ٹھوس اور نگر تھا۔ اس کی ساخت شیشے کی طرح نہیں تھی کہ جس سے سب کچھ گزر جائے۔ لامحالہ آپ کا سایہ تھا اگر جسم اطہر کا سایہ مبارک نہ تھا تو کیا جب آپ لباس پہنتے تو آپ کے ملبوسات کا بھی سایہ نہ تھا اگر وہ کپڑے اتنے لطیف تھے کہ ان کا سایہ نہ تھا تو پھر ان کے پہننے سے ستر وغیرہ کی حفاظت کیسے ممکن ہوگی؟

[آپ کے مسائل اور ان کا حل قرآن وسنت کی روشنی، ص:۴۲، حصہ اوّل]

سراج منیر:

ایک دلیل سورۃ الاحزاب کی آیت پیش کی جاتی ہے۔ جس میں رسولِ کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سراجاً منیراً (روشنی کرنے والا چراغ) قرار دیا ہے۔ [الاحزاب ۳۳:۴۶]

اس کے تحت مستدرک حاکم کی روایت پیش کر کے آپ ﷺ کو نور ثابت کیا جاتا ہے۔

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ حدیث کے راوی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ ہوں اور تمام نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں۔ دراں حالیکہ میرے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی گوندھی جا رہی تھی اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں اس کے متعلق کہ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اپنی والدہ کا خواب ہوں جو انہوں نے دیکھا اسی طرح تمام انبیاء کی ماؤں نے خواب دیکھے اور یقیناً میری والدہ نے دیکھا جس وقت میری پیدائش ہوئی کہ ان سے نور نکلا جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا پھر یہ تلاوت فرمایا:

﴿ یایها النبی انا ارسلنك شاهدا ومبشرا ونذیراً وداعیا الی الله باذنه وسراجا منیراً ﴾

[مستدرك حاكم، ج:۲، ص:۴۱۸]

یعنی نبی ﷺ کی والدہ سے نور نکلا یہ سراجاً منیراً کی تفسیر ہے۔ ثابت ہوا آنحضرت ﷺ نور تھے۔

جواب: یہ تفسیر تسلیم کر لی جاتی اگر یہ حدیث صحیح ہوتی، اس روایت کی سند میں عبداللہ بن صالح المصری راوی ہے جسے اس طائفہ والے خود قابل حجت تسلیم نہیں کرتے۔ چناں چہ مولانا عمر اچھروی اپنی کتاب مقیاس نور میں بشر والی ایک حدیث کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں عبداللہ بن صالح ہے جس کے

متعلق لکھا ہے:

عبدالله بن صالح كثير الغلط۔ [تقريب التهذيب، ص:۲۰۲]

یعنی عبداللہ بن صالح بہت غلط حدیثیں بیان کرتا ہے۔تمہاری اس حدیث کا راوی بھی وہی ہے۔اور سنیے:

عبدالله بن صالح ليس هو بشيء انه كان يكذب في الحديث۔

[تهذيب التهذيب، ج:٥، ص: ٢٥٦، ٢٥٧]

''عبداللہ بن صالح کچھ نہیں وہ حدیث میں جھوٹ بولتا ہے۔''

یا تم مرمرا کر ایک حدیث لائے وہ بھی جھوٹی۔ [مقیاسِ نور،ص:۲۱۹]

اسی طرح اپنی دوسری کتاب میں اسی راوی پر برستے ہوئے یہی اقوال نقل کیے اور مزید اور بھی جرح نقل کی، لکھتے ہیں:

احمد بن صالح نے بھی کہا کہ عبداللہ بن صالح کچھ نہیں اور امام نسائی نے فرمایا کہ عبداللہ بن صالح مضبوط راوی نہیں، ابن مریم سے روایت ہے کہ یہ جھوٹا ہے۔ [مقیاس حنفیت،ص:۲۴۷،ط:المقیاس پبلشرز لاہور]

نیز اس کی سند میں سعید بن سوید بھی ہے جس کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

لا يتابع في حديثه۔

اس کی حدیث میں متابعت نہیں کی جاتی۔ [میزان الاعتدال،ج:۲،ص:۱۴۵]

ثابت ہوا یہ حدیث قابل حجت نہیں اس لیے اس سے استدلال پکڑنا درست نہیں۔

نیز اس آیت سے عقلی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسی نور ثابت نہیں ہوتے۔کیوں کہ قرآن کے دوسرے مقام پر سورج کو بھی سراج (روشنی کرنے والا) کہا گیا ہے اگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی سورج کی طرح حسی ہوتی تو کبھی مدینہ میں رات کے وقت اندھیرا نہ ہوتا اور مکی زندگی میں مکہ میں اندھیرا نہ ہوتا۔

ثابت ہوا سورج کی روشنی ظاہری جسموں کے لیے ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی روحانیت کو روشن کرنے کے لیے ہے اور ظاہر ہے کہ روحانیت کو روشنی دینے والی چیز افضل ہوتی ہے۔

اوّلیت محمدی ﷺ:

اولیت تخلیق محمدی پر سورۃ الانعام کی یہ آیت پیش کی جاتی ہے:

﴿ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ [الانعام ٦: ١٦٣]

''اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں حکم ماننے والوں میں سب سے

پہلا ہوں۔''

یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سب سے پہلے مسلمان ہیں اور یہ اسی صورت میں مانا جاسکتا ہے جب ان کی پیدائش آدم علیہ السلام سے پہلے تسلیم کی جائے۔

تجزیہ: یہ قرآنِ مجید سے ناآشنائی کا نتیجہ ہے۔ کیوں کہ انبیاء کے اس جملہ کا مطلب ہوتا ہے، موجودہ انسانوں میں سب سے پہلا حکم خداوندی کے آگے سر تسلیم خم کرنے والا میں ہوں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

﴿ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ٥ وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾

[الزمر ۳۹: ۱۱، ۱۲]

''فرما دیں مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت اس طرح کروں کہ دین کو اسی کے لیے خالص کرنے والا ہوں۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ماننے والوں میں سے پہلا میں ہوں۔''

کس قدر وضاحت سے پتا چل رہا ہے کہ موجودہ انسانوں میں سے سب سے پہلا مسلمان وفرماں بردار بننے کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اگر ان لوگوں کا استدلال تسلیم کرلیا جائے تو پھر موسیٰ علیہ السلام کی تخلیق بھی قبل از آدم علیہ السلام ماننی پڑے گی۔ کیوں کہ انہوں نے بھی اسی طرح کے الفاظ اپنے لیے استعمال کیے تھے جیسا کہ قرآن اس پر ناطق ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر جب اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے کی خواہش ظاہر کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اس پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالتا ہوں اگر یہ برداشت کرسکا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ چناں چہ تجلی ڈالی گئی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ آگے فرمایا:

﴿ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ [الاعراف ۷: ۱۴۳]

''پھر جب اسے ہوش آیا تو کہنے لگا تو پاک ہے میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔''

طائفہ مذکورہ کے لوگ آنحضرت ﷺ کو جنس بشر سے خارج کرنے کے لیے ایسی ایسی موضوع اور من گھڑت روایات پیش کرتے ہیں کہ (الامان والحفیظ)

بہر حال حقیقت بشری کے ردّ میں اور نورانیت کے اثبات میں وہ حسب ذیل روایات بھی پیش کرتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے نور محمدی کو پیدا فرمایا تھا۔

سب سے زیادہ مشہور و معروف حدیث جابر ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں: ”میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کیا چیز پیدا فرمائی؟

آپ ﷺ نے فرمایا: اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے پہلے تیرے نبی ﷺ کا نور، اپنے نور سے پیدا فرمایا پھر وہ نور مشیت ایزدی کے مطابق جہاں چاہتا سیر کرتا رہا، اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ دوزخ، نہ فرشتہ تھا نہ آسمان تھا، نہ زمین تھی نہ سورج تھا، نہ چاند تھا نہ جن تھا اور نہ انسان۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ مخلوقات کو پیدا کرے تو اس نور کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے حصے سے قلم بنایا دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش۔ پھر چوتھے حصے کو تقسیم کیا چار حصوں میں۔

تو پہلے حصے سے عرش اٹھانے والے فرشتے بنائے اور دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی فرشتے۔

پھر چوتھے کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا تو پہلے سے آسمان بنائے دوسرے سے زمین اور تیسرے سے جنت اور دوزخ۔“ [قسطلانی، المواهب اللدنیه: ۱ / ۷۱، بروایت امام عبدالرزاق]

تجزیہ: اس روایت کے متعلق احمد بن محمد القسطلانی (م ۹۲۳ھ) نے لکھا ہے کہ اس روایت کو عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کیا ہے۔ [المواهب اللدنیه، ج:۱، ص:۳٦]

یہ روایت طائفہ مذکورہ آج تک امام عبدالرزاق کی کتاب المصنف میں یا ان کی تفسیر سے نہ دکھا سکا۔

لیکن ۲۰۰۵ء میں چالیس احادیث کا مجموعہ اپنی طرف سے گھڑ کر الجزء المفقود من الجزء الاوّل من المصنف کے نام سے لاہور والوں نے شائع کیا، جسے مصنف عبدالرزاق کے پہلے حصے کا گم شدہ حصہ قرار دیا گیا ہے اور اس میں حدیث نور ہونے کی وجہ سے یہ طائفہ شادیانے بجا رہا ہے۔

اس کتاب کا مخطوطہ انہیں افغانستان سے دریافت ہوا حالاں کہ مخطوطے کو صحیح تسلیم کرنے کی کئی شرائط ہیں جو اس خود ساختہ مخطوطہ میں مفقود ہیں۔

ان شرائط پر جماعت اہل حدیث کے نامور محقق حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے اپنے رسالہ الحدیث ۵ شعبان ۱۴۲۵ھ بمطابق ۲۰۰۴ء میں خوب روشنی ڈالی ہے۔ ان کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

① ...... مخطوطے کا ناسخ و کاتب ثقہ و صدوق ہو۔

② ...... ناسخ مخطوطہ سے صاحب کتاب تک سند صحیح ہو۔

③ ...... مخطوطہ کا محل وقوع، خط، تاریخ، نسخ، پہچاننا اور قدامت کی تحقیق ضروری ہے، جو نسخہ پرانا اور قلیل الغلط ہو اسے بعد والے تمام نسخوں پر فوقیت حاصل ہے۔

④......نسخہ پر علمائے کرام اور ائمہ دین کے سماعات ہوں۔

فائدہ: سماع کی جمع سماعات ہے۔ جب ایک قلمی نسخہ علمائے کرام خود پڑھتے یا انہیں سنایا جاتا تو وہ اس پر لکھ دیتے تھے کہ یہ فلاں فلاں نے پڑھا، یا سنا ہے۔ اسے سماعات کہتے ہیں۔

⑤......نسخہ علماء کے درمیان مشہور ہو۔ آج اگر کوئی شخص افغانستان، قزاقستان، گرجستان وغیرہ کے کسی کونے کھدرے سے خود ساختہ نسخہ پیش کر کے شور مچانا شروع کر دے کہ مخطوطہ مل گیا ہے تو علمی میدان میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

⑥......اس بات کا ثبوت ہو کہ یہ مخطوطہ واقعی اسی ناسخ نے لکھا ہے۔

⑦......جس مصنف کا وہ مخطوطہ ہے اس سے لے کر رسول اللہ ﷺ یا صاحب قول تک سند صحیح و حسن ہو۔

⑧......علمائے کرام اور محدثین عظام نے نسخہ پر طعن و جرح نہ کر رکھی ہو۔

⑨......اس کتاب کی عبارات و روایات کا ان کتابوں سے مقارنہ کیا جائے جن میں اس کتاب سے روایت یا نقل موجود ہے۔

⑩......جس کتاب کا مخطوطہ ہے اس کتاب کا مصنف بذاتِ خود ثقہ وصدوق ہو۔

علمائے ربانی نے طائفہ مذکورہ کے لوگوں کو علمی میدان میں آنے کی دعوت دی اور اسے درست و صحیح کتاب ثابت کرنے کا چیلنج دیا جو انگور کھٹے سمجھ کر پیچھے ہٹ گئے ہیں۔

بہر حال اس کتاب کے من گھڑت ہونے کے دلائل میں یہ باتیں ہیں کہ اس کا ناسخ اسحاق بن عبدالرحمٰن السلیمانی ہے جو کہ دسویں ہجری کا آدمی ہے۔ یہ کون ہے اس کی علمی حیثیت کیا ہے، سب کچھ پردہ خفا میں ہے۔ نیز اس ناسخ سے لے کر امام عبدالرزاق تک کی سند بھی مفقود ہے۔

اور خود اس پر مقدمہ لکھنے والوں نے تسلیم کیا ہے اس مخطوطہ پر علماء کے سماعات نہیں ہیں۔

[ص:۱۴، الجزء المفقود]

رسم الخط کے ماہرین نے اس مخطوطہ کا خط دیکھ کر بتایا ہے کہ یہ دسویں ہجری کا نہیں بلکہ موجودہ زمانے کے کسی آدمی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

نیز اس کتاب میں جو حدیث نور ہے اس کے متن اور پہلی کتابوں کے بیان کردہ متن میں بھی فرق ہے۔

[تفصیل کے لیے دیکھیں جعلی جزء کی کہانی اور علمائے ربانی، مرتب حافظ ندیم ظہیر، ناشر مکتبہ اسلامیہ لاہور]

ثابت ہوا حدیث نور من گھڑت ہے اور اسے صحیح ثابت کرنے کے لیے جو کتاب مارکیٹ میں آئی ہے وہ

بھی جعلی ہے۔

دوسری حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم نے فرمایا:

كنت نوراً بين يدى ربى قبل خلق آدم باربعة عشر الف عام ۔ [قسطلانی المواهب اللدنيه، ج:۱، ص:۷٤]

''کہ میں اپنے ربّ کے سامنے آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار سال پہلے نور کی شکل میں تھا۔''

جواب: قسطلانی اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

احکام ابن القطان میں ہے جیسا کہ ابن مرزوق نے ذکر کیا ہے، علی بن حسین سے وہ اپنے والد حسین رضی اللہ عنہ سے وہ اس کے دادا علی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الخ [المواہب اللدنیہ، ج:۱، ص:۳۹]

امام قسطلانی کی اس عبارت سے پتا چلتا ہے کہ یہ روایت ابن القطان کی کتاب جس کا نام ہے بیان الوہم والایہام الواقعین فی کتاب الاحکام کے حوالے سے ابن مرزوق نے بیان کی۔ لیکن اس میں یہ روایت نہیں مل سکی اور نہ ہی ابن مرزوق نے اس کی سند بیان کی ہے۔ علامہ عجلونی نے اسے کسی العلقمی کے حوالے سے علی بن الحسین عن ابیہ عن جدہ کی سند سے نقل کیا ہے۔ [کشف الخفاء، ج:۲، ص:۱۳۰، ح:۲۰۰۷]

عجلونی، علقمی، ابن مرزوق اور ابن القطان الفاسی ان تمام سے لے کر علی بن الحسین رحمہ اللہ تک اس روایت کی کوئی سند کہیں موجود نہیں۔ لہٰذا یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔

[ماخوذ از رسالہ الحدیث حضرو، شمارہ نمبر:۳۸]

تیسری حدیث: حدیث جبریل علیہ السلام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ جبرائیل ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمہاری عمر کتنی ہے۔ جبرائیل نے عرض کیا: آقا عمر کا تو مجھے صحیح اندازہ نہیں لیکن اتنا یاد ہے کہ (ساری کائنات سے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حجاباتِ عظمت میں سے) چوتھے پردہ عظمت میں ایک (نورانی) ستارہ چمکا کرتا تھا اور وہ ستارہ ستر ہزار سال کے بعد ایک مرتبہ چمکتا تھا۔ آقا میں نے اپنی زندگی میں وہ نورانی ستارہ بہتر ہزار مرتبہ دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: جبرائیل مجھے اپنے ربّ ذوالجلال کی عزت کی قسم وہ (چمکنے والا ستارہ) میں ہی ہوں۔ [حلبی، السیرۃ الحلبیہ، ج:۱، ص:۳۰]

جواب: امام حلبی اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ میں نے یہ روایت کتاب التشریفات فی الخصائص والمعجزات میں دیکھی ہے جس کے مصنف کا نام معلوم نہیں۔ الخ [السیرۃ الحلبیہ، ج:۱، ص:۳۰]

جس کتاب میں یہ روایت ہے اس کا مصنف ہی نامعلوم ہے۔ پتا نہیں کون ہے کون نہیں۔ لہٰذا یہ روایت بھی من گھڑت ثابت ہوتی ہے۔

یہ مشہور مشہور روایات کا حال ہے۔ ان کے علاوہ جو دیگر روایات پیش کی جاتی ہیں۔ ان کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔

بہر کیف یہ تمام من گھڑت اور جعلی روایات اس صحیح حدیث کے بھی برخلاف ہیں جس میں نبی معظم نے وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا تھا۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

اوّل شیء خلق اللّٰہ تعالٰی القلم فأمرہ فکتب کل شیء یکون ......

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا فرمایا پھر اسے حکم دیا تو اس نے ہر ہونے والی چیز کو لکھ لیا۔ [السنۃ لابن ابی عاصم: ۱۱۲، سندہ صحیح، الاوائل لہ: ۳، المعجم الکبیر: ۱۲/ ۶۸، ح: ۱۲۵۰۰، مسند ابی یعلی: ۴/ ۲۱۷، ح: ۲۳۲۹، الاسماء والصفات للبیہقی، ص: ۳۷۸ بحوالہ الحدیث شمارہ نمبر: ۳۸]

تو اس صحیح حدیث کے مقابلہ میں ان جھوٹی روایات کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

علمائے بریلویہ کا اقرار:

دہریت کے مارے لوگ وجود باری تعالیٰ کی نفی کرتے ہوئے کہیں نہ کہیں جا کر تسلیم کر لیتے ہیں کہ نظام دنیا چلانے والا کوئی ہے۔ بالکل اسی طرح یہ طائفہ بھی باوجود اتنی کوششوں کے سید ولد آدم نبی علیہ السلام کو بشر ماننے پر مجبور ہو گیا، مثلاً:

① ...... اس طائفہ کے امام مولانا احمد رضا خاں بریلوی صاحب لکھتے ہیں: اور جو مطلقاً حضور سے بشریت کی نفی کرے وہ کافر ہے۔ [فتاویٰ رضویہ، ص: ۶۷، ج: ۷، ط: رضویہ کراچی، بحوالہ تبیان القرآن، ج: ۳، ص: ۱۳۹]

بلکہ اپنی کتاب فتاویٰ افریقہ میں تو رسولِ اکرم ﷺ کا خمیر مٹی سے تسلیم کیا ہے۔ رقم طراز ہیں:

خطیب نے المتفق والمفترق میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: میں اور ابوبکر و عمر ایک مٹی سے بنے اسی میں دفن ہوں گے۔ [فتاویٰ افریقہ، ص: ۹۰، نوری کتب خانہ لاہور]

دیکھیں کس قدر واضح الفاظ میں رسولِ اکرم ﷺ کی حقیقت کو بشریت مانا جا رہا ہے۔

ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما مٹی سے بننے کی وجہ سے حقیقی بشر کہلائیں اور اسی مٹی سے محمد کریم ﷺ بنیں تو ان کی بشریت کا انکار کر دیا جائے اور نورانیت کو حقیقت تسلیم کیا جائے۔ ﴿ تلك اذا قسمة ضيزىٰ ﴾

یہ بات یاد رہے کہ احمد رضا بریلوی بریلوی کے متعلق یہ کہا جا چکا ہے کہ ان سے ایک شوشہ کی بھی غلطی نہیں ہوئی۔

②...... مشہور و معروف مفتی اور اس طائفہ کے قلم کار احمد یار خاں نعیمی گجراتی لکھتے ہیں:

نبی جنس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں۔ [جاء الحق، ص:۱۸۰، ط: نعیمی کتب خانہ گجرات]

③...... اس عقیدہ کے حاملین کی بنیادی کتاب بہار شریعت میں محمد امجد علی صاحب بریلوی لکھتے ہیں:

عقیدہ: نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو اور رسول بشر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ میں بھی رسول ہیں۔

عقیدہ: انبیاء سب بشر تھے اور مرد، نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔

[بہار شریعت، ج:۱،ص:۷، دوسرا نسخہ، ص:۹، عقائد متعلقہ نبوت]

یہ بات یاد رہے اس کے ابتدائی چھ حصے احمد رضا بریلوی مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے حرفاً حرفاً سنے اور تحسین کی۔ [مقدمہ بہار شریعت، ص:۷]

④...... مولانا نعیم الدین مراد آبادی محشی کنز الایمان (ترجمہ قرآن از احمد رضا بریلوی صاحب) بھی لکھنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ آپ (ﷺ) کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے۔

[کنز الایمان، ص:۸۵۸، تحت آیت:۶، سورت فصلت:۴۱]

⑤...... دورِ حاضر کے بریلوی شیخ الحدیث مولانا غلام رسول سعیدی صاحب اپنی تفسیر تبیان القرآن میں رقم طراز ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ آپ انسان کامل اور سید البشر ہیں کائنات میں سب سے زیادہ حسین ہیں۔ آپ نورِ ہدایت ہیں اور نور حسی سے بھی آپ کو حظ وافر ملا ہے جو آپ کو اپنی مثل بشر کہتے ہیں وہ بدعقیدگی کا شکار ہیں (حالاں کہ قرآن میں یہی الفاظ ہیں ﴿قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی﴾ الخ) اور جو یہ کہتے ہیں کہ آپ کی حقیقت نور حسی ہے اور صورت بشر ہے یا آپ لباس بشری میں جلوہ گر ہوئے اور حقیقت اس سے ماوراء ہے۔ سو دلائل شرعیہ کی روشنی میں اس قول کا برحق ہونا ہم پر واضح نہیں ہو سکا۔ [ج:۳، ص:۱۳۹، ط: فرید بک سٹال لاہور]

کیسے کھلے اور واضح الفاظ میں اقرار کیا جا رہا ہے کہ دلائل شرعیہ کی روشنی میں رسولِ اکرم ﷺ کی حقیقت نورانیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ سید البشر اور انسان ثابت ہوتے ہیں۔

⑥...... جناب مفتی خان محمد قادری صاحب بریلوی مصنف کتب کثیرہ نائب امیر عالمی دعوت اسلامیہ، جماعت اہل حدیث کے معروف مفتی و مناظر اور ہمارے استاد الشیخ مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ کے مضمون (کیا سگ

مدینہ کہلانا درست ہے؟) کا جواب لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

اس سے کسی مسلمان کو اختلاف نہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام بشر اور انسان ہیں۔ ان میں بشریت۔ کے تمام تقاضے اور صفات موجود ہیں مگر ان کی بشریت اتنی اعلیٰ و اکمل کہ اس پر تمام نوری مخلوق فدا و قربان۔

[کیا سگ مدینہ کہلانا جائز ہے؟ ص: ۱۳، ط: عالمی دعوت اسلامیہ]

ان کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام مسلمان بشریت انبیاء پر متفق ہیں اور یہ غیر اختلافی مسئلہ ہے۔ خواہ مخواہ اسے مختلف فیہ مسئلہ بنا دیا گیا ہے۔

ان کے آخری جملہ پر غور فرمائیں:

مگر ان کی بشریت اتنی اعلیٰ و اکمل کہ اس پر تمام نوری مخلوق فدا و قربان۔

اگر نبی علیہ السلام کی حقیقت نوری ہوتی تو ہرگز یہ جملہ نہ کہا جاتا۔

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

نبی کو چاہیں خدا کر دکھائیں　　اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں　　شہیدوں سے جاجا کے مانگیں دعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

وہ دین جس سے توحید پھیلی جہاں میں　　ہوا جلوہ گر حق زمین و زماں میں
رہا شرک باقی نہ وہم وگماں میں　　وہ بدلا گیا آکے ہندوستان میں

ہمیشہ سے اسلام تھا جس پہ نازاں
وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلماں